

تبصرہ کتب

نام کتاب	: دیباچہ ہو المعظم
مؤلف	: پروفیسر غلام نظام الدین
ناشر	: وزیر اکیڈمی، (گجرات سرگودھا روڈ، بالمقابل ہائی وے ریسٹ ہاؤس)، بھلوال -
ایڈیشن	: ۱۹۹۰ء، غیر مجلد، سرورق، یک رنگ، کتابت عمدہ، طباعت گوارا -
صفحات	: ۳۲۸
قیمت	: ۸۰ روپے

دیباچہ ہو المعظم ان کتابوں میں سے ہے جو بظاہر جاذب نظر نہ سہی، لیکن بیاطن فکر انگیز ہوتی ہیں۔ مصنف نے اس سے قبل ۱۹۷۸ء میں خانقاہ معظمیہ بھلوال کے چار مشائخ کا تذکرہ ہو المعظم کے نام سے لکھا تھا جو اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور نے شائع کیا تھا۔ اس کتاب کے دیباچے میں انہوں نے برصغیر کے سماجی اور خانقاہی نظام کا تجزیہ پیش کیا تھا۔ اس دیباچے کو اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ مصنف نے اسے الگ سے شائع کرانے کا اہتمام کیا۔ زیر تبصرہ کتاب اسی دیباچے کا جدید ایڈیشن ہے۔

خانقاہ معظمیہ چشتی مشائخ کے خاندانوں کی ایک اہم کڑی ہے جس کا سلسلہ پنجاب میں سیال، پاک پتن، تونسہ اور مہار کے رابطوں سے خواجہ نظام الدین اولیاء سے جا ملتا ہے۔ یہ خانقاہ خواجہ شمس الدین سیالوی کے خلیفہ خواجہ معظم الدین مرولوی (۱۸۳۲ -

۱۹۰۷) کے نام سے منسوب ہے۔ ان بزرگوں کے حالات و واقعات مصنف نے ہوالمعظم میں جمع کئے ہیں۔ مصنف خود بھی اسی خانوادہ اور خانقاہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ موجودہ جانشین جناب رفیع الدین آپ کے بھائی ہیں۔

دیباچہ ہوالمعظم کے دو مضامین،،پاکستانی سوسائٹی،، (ص ۲۹ - ۷۱) اور،،تجدید عظمت،، (۷۲- ۱۶۶) ہوالمعظم میں بھی شامل تھے البتہ جدید ایڈیشن میں ان پر نظرثانی کی گئی ہے۔ نیا اضافہ،،فوز المبین (کذا) خانقاہ معظمیہ کا اصلاحی منشور،، (ص ۱۶۷ - ۲۹۶) ہے جو خانقاہ معظمیہ کی تاریخ اور پاکستان کے خانقاہی نظام کے تجزیاتی مطالعہ کے لئے بے حد مفید ہیں۔

اگرچہ مصنف کا اسلوب محققین کے لئے غیر مانوس ہوگا لیکن تاریخ، بشریات اور سماجیات کے طالب علموں، خصوصاً خانقاہی نظام پر تحقیق کرنے والوں کے لئے یہ کتاب گڈری میں لعل رکھتی ہے۔ پاکستانی سوسائٹی کا تجزیہ کرتے وقت مصنف نے یہ منہاجی اصول دیا ہے کہ کسی معاشرے کے تجزیے کے لئے اس کے تین پہلوؤں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے: مذہب، معاش اور معاد۔ ان تینوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ ان کے نزدیک مذہب کسی جامد تصور کا نام نہیں بلکہ مذہب اور سوسائٹی دونوں ایک ادارے یا درخت کی طرح ارتقاء اور انحطاط سے اثر پذیر ہوتے ہیں (ص ۳۰) ،،مذہب اگر مشیت کا پیرہن ہوتا تو یہ بھی لازوال ہوتا،، (ص ۳۱)۔ پاکستانی سوسائٹی کے مذہبی رجحانات کا تجزیہ کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ فکری انتشار اور بے یقینی کی کیفیت کے ساتھ فرقہ واریت زور پکڑ رہی ہے۔ معاشی مصروفیت عام مسلمان کو مذہب کے مطالعہ کا وقت نہیں دے پاتی، مذہبی پیشوا عوام کی

مذہب سے اس عدم واقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اصول کی بجائے فروعی مسائل میں الجھا کر تعصب اور خانہ جنگی کی فضا قائم کئے رکھتے ہیں کیونکہ ،،پیشواؤں کے لئے تو یہی چیز فائدہ مند ہو سکتی ہے ،، (ص ۴۷)۔

معاش کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پاکستان میں اول روز سے ایک خاص عنصر سرکاری وسائل آمدن پر متصرف ہو کر معاشرتی اور معاشی ناانصافیوں کے فروغ کا باعث بنا ، ملک میں صرف دو طبقے رہ گئے : انتہائی امیر اور انتہائی غریب۔ (ص ۵۱)۔ ساٹھ کی آخری دہائی تک زراعت کا فرسودہ نظام جاری تھا۔ زرعی اصلاحات ہوئیں لیکن سیاسی مفاد پرستی نے مزارع اور زمیندار کو دو متحارب طبقوں میں بانٹ دیا۔ (ص ۵۳)۔

پاکستانی معاشرے کا جو معاشی تجزیہ مصنف نے پیش کیا ہے اس سے ان کے مشاہدے کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً پاکستانی گھرانوں کی روز افزوں غربت کی وجوہات میں انہوں نے مندرجہ ذیل امور بھی گنوائے ہیں : لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم پر طویل عرصہ تک والدین کی جانب سے وسیع اخراجات (جبکہ دیگر ممالک میں بنیادی تعلیم کے بعد کے اخراجات طلبہ اپنی کمائی سے ادا کرتے ہیں) ان اخراجات کو پورا کرنے کیلئے خوراک کے معیار میں کمی، جس سے صحت کے مسائل، دیسی کے مقابلے میں انگریزی طریق علاج کی کئی گنا گرانی، زمانہ تعلیم کی طوالت کی وجہ سے شادیوں میں تاخیر، ان عوامل سے نہ صرف معاشرے میں کمانے والے افراد کی کمی اور نہ کمانے والے افراد کی تعداد میں اضافہ ہوا بلکہ اجتماعی اخلاق پر بھی برے اثرات پڑے (ص ۵۳)۔

پاکستانی سوسائٹی کے مجموعی تجزیے کے بعد مصنف اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان معاشرتی ناہمواریوں کی وجہ سے نوجوان نسل نے

ایک متوازی نظام اخلاق اختیار کیا ہے۔ جو اعمال و افکار پر کسی قسم کی پابندی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور مذہبی میدان میں خدا کے عفو و درگزر پر زور دیتا ہے۔ معاد کے مستقبل سے مایوس ہو کر اسی دنیا میں جنت کی خوشیاں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ علماء نے عذاب اور تادیب و تنبیہ والی آیات و احادیث کی تبلیغ شروع کر کے مذہبی تہانیداری کا ہولناک منصب سنبھال لیا ہے۔ ،، مشائخ سستے داموں جنت اور علماء مفت میں دوزخ کے بیروانے جاری کرنے لگے ،، (ص ۶۵)۔

،، تجدید عظمت،، میں مصنف نے خانقاہوں کے مسائل کا جائزہ لیا ہے۔ ان کی رائے میں خانقاہی نظام کاروباری انداز اختیار کر گیا ہے جس میں اس کی عظمت رفتہ جو درویش خانہ کی حیثیت سے قائم تھی ختم ہو چکی ہے اوقاف نے نجی ملکیت کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ انہوں نے خانقاہی نظام کی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے شیخ و مرید میں فرق مراتب اور عدم مساوات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس میں خدمت ، نذرانے اور ہدیے یکطرفہ ہیں۔ شیخ ہمیشہ مخدوم اور مرید ہمیشہ خادم۔ سنت مشائخ کو سنت رسول کے برابر درجہ دیکر اسی طرح پابندی کی جاتی ہے۔ خلافت عطا کرتے وقت مرید کے روحانی اکتسابات کی بجائے اس کی تعلقات عامہ کی مہارت کو دیکھا جاتا ہے۔

مصنف نے ،، سجادہ نشین ،، اور جانشین، کی خانقاہی اصطلاحوں کا تجزیہ کرتے ہوئے تجویز کیا ہے کہ موجودہ گدی نشینوں کو سجادہ نشین کی بجائے جانشین کہا جائے کیونکہ سجادہ نشینی روحانی جانشینی ہے جو درحقیقت لطیفہ غیبی اور ودیعت نورانی ہے۔ البتہ جانشین ایک انتظامی عہدہ ہے جو معاشرتی حالات سے وابستہ ہے۔

خانقاہ معظمیہ کے موجودہ جانشین جناب رفیع الدین جنہوں نے دینی اور روحانی تربیت کے ساتھ عربی اور اسلامیات میں ایم اے بھی کیا ہے ان کی تجویز پر مصنف نے اس خانقاہ کے نظام کا تجزیہ اور اس کی اصلاح کے لئے تجاویز پیش کیں جو اس کتاب کے تیسرے حصے ” فوز المبین“ (کذا) میں درج ہیں۔ ان میں جانشین کو انتظامی امور میں ایک نگران کمیٹی کا پابند کیا گیا ہے اور خانقاہ کو وصول ہونے والے نذرانوں اور تحائف کو جانشین کے ذاتی تصرف سے نکال کر خانقاہ کے مذہبی فنڈ کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ ان تجاویز کی بنیاد پر ایک حلف نامہ ترتیب دے کر اس پر موجودہ جانشین کے دستخط لٹے گئے ہیں۔ اس حلف نامہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی مرید سے مالی یا سیاسی فائدے کے لئے فرمائش نہیں کی جائے گی اور نہ ہی مذہب کو روٹی کمانے کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

خانقاہی نظام کے تجزیے اور اس کی اصلاح میں جس پیش رفت کا نقشہ اس کتاب سے ابھرتا ہے وہ واقعی خوش آئند ہے اور ہماری دعا ہے کہ اس کے اثرات دوسرے مذہبی اداروں پر بھی پڑیں تاکہ دین کی بے لوث خدمت کا زمانہ ایک مرتبہ پھر لوٹ آئے۔

آخر میں ہم مصنف کے اسلوب اور فکری ارتقا کے حوالے سے یہ کہنا چاہیں گے کہ هو المعظم کا مطالعہ کرتے وقت مشائخ ایک ماورائی مخلوق نظر آتے ہیں جو اپنے مریدوں کو عمر بھر جانوروں کی رکھوالی میں مصروف رکھتے ہیں تاہم ان کی حفاظت کے لئے میلوں کے فاصلے سے ایک ٹھیکرا پھینک کر شیر کو مار ڈالتے ہیں۔ اس دیباچہ میں وہ مشائخ کی اس سنت پر سخت تنقید کرتے ہیں کہ وہ مریدوں کی روحانی تربیت کی بجائے ان سے ذاتی کام لیتے ہیں۔ هو المعظم میں وہ بزرگوں کی ”سنت مشائخ“ کی پابندی کو محبت کی ادا بتاتے

ہیں۔ دیباچہ میں اسے خانقاہی نظام کی ایک خرابی گنواتے ہیں۔
 دیباچہ میں ان کا اسلوب اکثر طنزیہ ہے بلکہ بسا اوقات تو طنز کا یہ
 تیز نشتر اس انداز سے استعمال کرتے ہیں کہ جراثیم کی بجائے
 مایوسانہ غیظ و غضب کا گمان ہونے لگتا ہے۔

ہو المعظم (۱۹۷۸ء) سے دیباچہ ہو المعظم (۱۹۹۰ء) تک
 جناب غلام نظام الدین نے ماہ و سال کے ساتھ ساتھ ایک فکری سفر
 بھی کیا ہے۔ یہ سفر ان کی ذات کا بھی ہے اور خانقاہ معظمیہ میں
 بدلتے ہوئے نظام کا بھی۔

(ڈاکٹر محمد خالد مسعود)

